09866
۲/۲۲

کیا فرماتے ہیں علماء اکرام اس مسئلہ کے بارے کہ ہمارے ہاں جب
دو فریقوں کا مالیاتی مسائل میں تنازع چل رہا ہوں تو دونوں فریق
عدالت کیطرف رجوع نہیں کرتے بلکہ علماء اکرام اور دانشور لوگوں
کو حَکَم بنالیتے ہیں پھر یہ حَکَم ان لوگوں سے دن کے پانچ ہزار یا دس ہزار
یہاں تک کہ بیس ہزار روپے اپنا اجرت مقرر کرتے ہیں بعض ان خصمین میں
سے غریب بھی ہوتے ہیں انکو قدرت نہیں ہوتی بلکہ اکثر طیب نفس کیساتھ
اتنی رقم دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔
اب پوچھنا یہ ہے کہ ان حَکَم لوگوں کے لیے اتنی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟
اور ہمارے ہاں اتنی رقم اجرت مثل بھی کسی کی نہیں ہے اور اگر اجرت مثل
مراد ہو تو ان میں سے کن لوگوں کی اجرت مثل مراد ہے؟)
براہ کرم مذکورہ مسئلہ بحوالہ دیجئے
(نوٹ) فیصلہ کرنے والے لوگ خصمین سے وافر مقدار میں پر تکلف کھانے اور
شربتی کا بھی مطالبہ کرتے ہیں اور اگر غریب لوگ اتنی رقم کی قدرت
نہ رکھیے تو اس غریب کے فیصلہ پر بھی اثر پڑ سکتا ہے

المستفتی: دین گل عفی عنہ
(استاذ الحدیث جامعہ فاروق اعظم)
اورنگی ٹاؤن کراچی
فون 0313-2382099
03032629534

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامدا ومصلیا

واضح رہے کہ تحکیم (حَکَم اور ثالث بننا) قضاء کی طرح ایک طاعت ہے اور طاعت پر اُجرت لینا اصلاً ناجائز ہے۔ متاخرین فقہاء حنفیہ نے ضرورت کی وجہ سے اگرچہ قضاء پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، نیز بعض شافعیہ نے بھی چند شرائط کے ساتھ اسکو جائز قرار دیا ہے، جس سے تحکیم پر اجرت لینے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے، تاہم جن شرائط کے ساتھ ان علماء نے اسکو جائز فرمایا ہے، غور کرنے سے وہ شرائط آجکل مفقود نظر آتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جواز کیلئے درجِ ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) حَکَم فیصلہ کرنے کا اھل ہو۔

(۲) اُس نے اپنے آپ کو اس کام کیلئے فارغ کیا ہو۔

(۳) حکومت یا عام لوگوں کی طرف سے اُس کیلئے کوئی تنخواہ مقرر نہ ہو اور اُس کا کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہ ہو۔

(۴) وہ اُجرت اپنی معاشی ضرورت کی حد تک وصول کرے۔ اتنی زیادہ اُجرت مقرر نہ کرے جو لوگوں کیلئے ناقابلِ برداشت ہو۔

"تحکیم" کے اوپر اُجرت وصول کرنے والے حضرات میں عموماً یہ شرائط مفقود ہوتی ہیں، خصوصاً آجکل "تحکیم" پر بہت زیادہ اُجرت وصول کی جاتی ہے اور طے شدہ اجرت کے علاوہ بھی مزید لوازمات مثلاً پُر تکلف کھانے اور جانور ذبح کرنے کا اہتمام بھی کروایا جاتا ہے۔ اور لوگ اس اندیشہ سے کہ کہیں ہمارے خلاف فیصلہ نہ ہو جائے اور کہیں حَکَم جانبداری سے کام نہ لے، ناچاہتے ہوئے بھی اس کا اہتمام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسکی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلئے مروجہ "تحکیم" پر اجرت وصول کرنا درست نہیں ہے۔

البتہ اگر فیصلہ کروانے کیلئے "حَکَم" سے براہِ راست رابطہ نہ کیا جائے، بلکہ "تحکیم" کیلئے کوئی ادارہ قائم کیا جائے، جو متعدد اُھل افراد کو بطور "حَکَم" اپنے یہاں ملازم رکھے، جنکو اس ادارے سے ایک متعین تنخواہ دی جائے اور لوگ فیصلہ کروانے کیلئے براہِ راست "حَکَم" سے رابطہ کرنے کے بجائے اُس ادارے سے رابطہ کریں اور انکو معلوم نہ ہو کہ ادارے کا کونسا "حَکَم" ہمارے معاملے (کیس) کو دیکھے گا، تو اس سے جانبداری کا امکان کم سے کم ہو جائے گا، لہٰذا اس صورت میں "تحکیم" کی سہولت دینے پر ادارہ لوگوں سے اُجرت وصول کر سکتا ہے، بشرطیکہ اُجرت کی مقدار مناسب ہو اور فریقین سے بھاری اجرت یا دعوت وغیرہ کا تقاضا نہ کیا جائے، نیز اوپر ذکر کردہ دیگر تمام شرائط کی پابندی بھی کی جائے۔ (ماخذہ تبویب بتغییر: ۱۵۶۵ / ۳۶ و ۹۹۳ / ۴۰)

الحاوي الكبير في فقه الشافعية -.(16 / 293)

وإذا تعذر رزق القاضي من بيت المال وأراد أن يرتزق من الخصوم فإن لم يقطعه النظر عن اكتساب المادة إما لغنائه بما يستجده وإما لقلة المحاكمات التي لا تمنعه من الاكتساب لم يجز أن يرتزق من الخصوم.

وإن كان يقطعه النظر عن اكتساب المادة مع صدق الحاجة جاز له الارتزاق منهم على

ثمانية شروط:أحدها: أن يعلم به الخصمان قبل التحاكم إليه، فإن لم يعلم به إلا بعد الحكم لم يجز أن يرتزقهما. والثاني: أن يكون رزقه على الطالب والمطلوب ولا يأخذ من أحدهما فيصير به متهوما.والثالث: أن يكون عن إذن الإمام لتوجه الحق عليه فإن لم يأذن به الإمام لم يجز.والرابع: أن لا يجد الإمام متطوعا فإن وجد متطوعا لم يجز.والخامس: أن يعجز الإمام عن دفع رزقه فإن قدر عليه لم يجز.والسادس: أن يكون ما يرتزقه من الخصوم غير مؤثر عليهم، ولا مضر بهم فإن أضر بهم أو أثر عليهم لم يجز. والسابع: أن لا يستزيد على قدر حاجته فإن زاد عليها لم يجز.والثامن: أن يكون قدر المأخوذ مشهورا يتساوى فيه جميع الخصوم، وإن تفاضلوا في المطالبات؛ لأنه يأخذه على زمان النظر فلم تعتبر مقادير الحقوق. فإن فاضل بينهم فيه لم يجز، إلا أن يتفاضلوا في الزمان فيجوز.

البحر الرائق ، دارالكتاب الاسلامي – (6 / 304)

قال عمر بن عبد العزيز – رضي الله عنه – كانت الهدية على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – هدية واليوم رشوة فتعليله دليل على تحريم الهدية التي سببها الولاية، ويجب ردها على صاحبها فإن تعذر ردها على مالكها وضعها في بيت المال كاللقطة كما في فتح القدير فإن كان المهدي يتأذى بالرد يقبلها ويعطيه مثل قيمتها كذا في الخلاصة وفي المضمرات إذا دخلت الهدية له من الباب خرجت الأمانة من الكوة ...... وفي فتح القدير وكل من عمل للمسلمين عملا حكمه في الهدية حكم القاضي اهـ.

الهداية في شرح بداية المبتدي – (4 / 325)

قال: "وينبغي للقاضي أن ينصب قاسما يرزقه من بيت المال ليقسم بين الناس بغير أجر" لأن القسمة من جنس عمل القضاء من حيث إنه يتم به قطع المنازعة فأشبه رزق القاضي، ولأن منفعة نصب القاسم تعم العامة فتكون كفايته في مالهم غرما بالغنم.

قال: "فإن لم يفعل نصب قاسما يقسم بالأجر" معناه بأجر على المتقاسمين، لأن النفع لهم على الخصوص، وبقدر أجر مثله كي لا يتحكم بالزيادة، والأفضل أن يرزقه من بيت المال لأنه أرفق بالناس وأبعد عن التهمة....... قال: "ولا يترك القسام يشتركون" كي لا تصير الأجرة غالية بتواكلهم، وعند عدم الشركة يتبادر كل منهم إليه خيفة الفوت فيرخص الأجر.. والله تعالیٰ اعلم

محمد طلحہ ہاشم عفی عنہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۳۰/ ربیع الثانی/ ۱۴۳۹ھ

۱۸/ جنوری/ ۲۰۱۸ء

الجواب صحیح

15-03-2018

الجواب صحیح

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵-۶-۳۹